حفنی بک ناصف

بینک اور سُود

پیش نظر مضمون مصر کے ایک نامور فاضل حفنی بک ناصف کے عربی مقالہ کا ترجمہ ہے جو انہوں نے ہندوستان اور مصر کے حالات کو مدنظر رکھ کر بینک کے سود کے بارے میں لکھا تھا۔ یہ مضمون تہذیب الاخلاق بابت جمادی الاول ۱۳۲۹ھ میں شائع ہوا تھا اس رسالہ کے مدیر عبداللہ العمادی تھے اور یہ سرسید کی یادگار کے طور پر جاری کیا گیا تھا۔

اس مسئلہ میں امر زیر بحث یہ ہے کہ:

(۱) بینک سے خفیف شرح سود پر قرض لے کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اسلامی تعلیم گاہوں اور انجمنوں کو (ومثلُ ذٰلک) بینک میں اپنے سرمایۂ محفوظ کو جمع کر کے اس سے سود لینا چاہیے یا نہیں؟

(۳) از روئے شریعت کسی ایسے بینک کا قائم کرنا درست ہے یا نہیں جس کے بانی و سرمایہ دار مسلمان ہوں اور وہ معتدل شرح پر مسلمانوں کو قرض دیا کرے؟

کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ تمام صورتیں جائز و درست و لازمی ہیں۔ مسلمان اگر اپنے سرمایہ پر سود نہ لیں گے اور خود سود دیتے رہیں گے تو جس طرح اب تک ان کی جائیدادیں تباہ ہوتی رہی ہیں آئندہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ تمام زمینیں مسلمانوں کے قبضہ سے نکل جائیں گی اور مسلمان صرف اس متاجر یا شکمی کاشتکار کی حیثیت میں رہ جائیں گے جسے زمیندار جب چاہے بے دخل کر دے۔

کچھ اور لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ صورتیں قطعاً ناجائز ہیں کیونکہ اسلام نے ربا کی ممانعت کی ہے اور کسی فائدہ (سود) پر قرض دینا خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو ربا ہے۔ جائیدادیں اور زمینداریاں اگر تلف ہو رہی ہیں تو ہونے دو مگر احکام اسلام کی مخالفت نہ کرو۔

مجھے ان لوگوں کے اعتراض کا اندیشہ نہیں ہے جو خفیف شرح سود پر قرض دینے کو

ہفت روزہ

شہاب

زندگی کی تاریکیوں کے خلاف ایک جہاد

لاہور

مجلس ادارت — نعیم صدیقی — اسعد گیلانی — آباد شاہپوری

مستقل عنوانات ⇐ معارف القرآن — مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

معارف الحدیث — مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی

مد و جزر — انقرہ سے جکارتا تک — تاروں کی گردش — کچھ یونہی، شہابیئے (طنز و مزاح)

تاریخ کے جھروکوں سے — استفسارات — چلمن کے پیچھے (خواتین کا حصہ)

قرطاس و قلم — دامن گلچیں — شہابی بچوں کی مجلس

۲۰×۳۰/۴ کے ۴۲ صفحات • دلآویز سرورق • حسین کتابت و طباعت

بدل اشتراک: سالانہ پندرہ روپے • ششماہی آٹھ روپے • سہ ماہی چار روپے • فی شمارہ ۳۰ پیسے

نمونے کے لیے ۳۰ پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیے ★ بھارت کے خریدار مکتبۂ الحسنات رام پور۔ یو۔پی کے نام ترسیل زر کر کے رسید ہمیں بھیج دیں

مدیر کوثر نیازی

ہفت روزہ شہاب • شاہ ...

ناپ تول سے برابر ہو۔ سونا اگر چاندی کے بدلے میں یا کھانے کی کوئی چیز ویسی ہی کسی چیز کے معاوضہ میں فروخت کی جائے تو دونوں کا ایک دوسرے کے مانند ہونا بیع کے درست ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ تم کو اختیار ہے کہ ایک تولہ سونے کے بدلے میں بیس تولہ چاندی اور ایک من گیہوں کے عوض میں دس من جوار کا مطالبہ کرو۔ اس لیے کہ سونے چاندی میں سے اگر ایک دھات کم بھی ہو گئی تو دوسری سے کام چل سکتا ہے۔ اسی طرح کھانے کی اجناس میں اگر ایک جنس میں کمی آئی تو دوسری اجناس سے کاربرآری ممکن ہے۔ اگر ایک جنس دوسری جنس کے بدلے میں فروخت ہو اور معاوضہ کی رقم نہ روپے اشرفی وغیرہ کی صورت میں ہو اور نہ کھانے کی اجناس کی شکل میں تو اس حالت میں کوئی شرط نہ ہوگی۔ یاد رکھو! انہیں شرائط کی مخالفت کا نام ربا ہے۔ حلول کی شرط میں خلل آیا تو ربا النسیۂ کہیں گے۔ ایک ہی صحبت میں معاوضہ پر قبضہ کر لینے کی شرط میں فرق پڑا تو ربا الید کہا جائے گا۔ اور مماثلت (ایک جیسے) ہونے کی شرط پوری نہ اتری تو ربا الفضل ہوگا۔ ان سب کا مدعا یہ ہے کہ جل و فریب سے مسکوکات و اجناس کی حفاظت کی جائے اس لیے کہ ممکن ہے کہ ایک تاجر سونے چاندی کی بنی ہوئی چیزیں لائے جس کا نقش و نگار اس قدر نظر فریب ہو کہ دولت مند انہیں دیکھتے ہی فریفتہ ہو جائیں اور تاجر شرط کرے کہ اس ایک تولہ مصنوعی سونے چاندی کے عوض میں بیس تولہ اصلی سونا چاندی لے گا۔ لہٰذا اسلام اگر اس صورت کو ناجائز نہ ٹھہراتا تو مسلمانوں کے گھر سونے چاندی سے خالی ہو جاتے اور جس بے زری و ناداری کی شکایت آج ہو رہی ہے وہ آج سے ہزار برس پہلے پیش آ چکی ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی سوداگر گیہوں اور چاولوں کی کوئی ایسی قسم لائے جو اہل شہر نے کبھی نہ دیکھی ہو۔ کاشتکار اس کو بونے اور دولت مند طبقہ اس کی نمائش کرنے کے لیے خریدنا چاہے اور سود اگر شرط کر چکا ہو کہ ان غلّوں کا ایک من معمولی گیہوں چاولوں کے بیس من کے بدلے بیچے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شہر میں گیہوں چاولوں کا قحط پڑ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ انہیں چیزوں پر انسان کی مادی و اقتصادی زندگی کا قوام ہے اس لیے ضرور تھا کہ ان کی حفاظت کی جائے۔ اور اس غرض کے لیے ایک خاص قانون نافذ ہو۔ چنانچہ شارع علیہ السلام کے مقدس احکام نے یہ ضرورت پوری کر دی اور اب پیروان اسلام کو کہیں یہ شکایت نہیں رہی۔ اس قانون کے ذریعہ سے جن چیزوں کی حفاظت مطلوب ہے وہ امام مالکؒ کے مذہب میں سونا، چاندی اور وہ چیزیں ہیں جو کھائی

حرام کہتے ہیں اور اپنے طرز عمل کے رو سے سود در سود پر قرض لینے کو حرام نہیں جانتے مجھے اندیشہ ان لوگوں سے ہے جو دین اسلام کو جمود سے متہم کرتے ہیں اور اس کو تمدنی ترقی کی ضد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میرا پختہ اعتقاد ہے اور یہ تمام اصولِ اسلام کے متعلق وسیع تحقیقات کرنے کے بعد پیدا ہوا ہے کہ اسلام کا قانون ہر زمانے اور ہر محل و موقع کے لیے مناسب حال ہے۔ تمدنی ترقی کا محرک ہے اور اگر اس کی پابندی کی جائے تو یہی دین و دنیا دونوں میں فلاح کی ضمانت ہے

مجھ کو اس امر سے انکار نہیں ہے کہ ربا کے حرام ہونے پر تمام مسلمان متفق ہیں اور نہ میں اس کو حلال ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ میری غرض صرف اس قدر ہے کہ ہر چیز جس میں زیادتی ہو اور اس بنا پر تم اسے ربا کہنے لگو حرام نہیں ہے۔ مثلاً تم نے ایک شکل منطقی بنا لی اور کہنے لگے یہ ربا ہے۔ اور ہر ربا حرام ہے۔ لہٰذا یہ چیز حرام ہے۔ اس شکل کی کبریٰ میں تو کوئی کلام نہیں ہے البتہ صغریٰ مخدوش ہے۔ لہٰذا اصل مسئلہ کے متعلق تین صورتوں سے بحث کی جا سکتی ہے۔

(۱) خفیف شرح سود پر قرض دینے میں نفعت کی رو سے تو ربا کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں مگر شریعت کی رو سے نہیں پیدا ہوتے۔ لغوی ربا (زیادتی) کی صورت بیع میں بھی ہے۔ اور اگر یہ حرام ہے تو بیع کے حلال ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔

اس بحث کے دو پہلو ہیں:

ا۔ فقہا نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے اس میں سود پر قرض دینا شامل نہیں ہے۔ اور جن صاحبوں نے اس کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے ان کو بہت زیادہ تکلف کرنا پڑا ہے۔ تم کو تعجب ہوگا کہ فقہ میں جس ربا کو بالاجماع حرام کہا گیا ہے اس کے معنی سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بیع کے اقسام اور اس کے لیے عام شرائط مقرر کرنے کے بعد خاص طرز کی شرطیں معین کی گئی ہیں۔ جن کا لحاظ خاص خاص مال میں کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس میں خلل پیدا ہوا تو وہی ربا ہے۔ اس مقصد کے لیے امام مسلم کی اس حدیث "الذهب بالذهب والفضة بالفضة الخ" سے دلیل لائی جاتی ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ سونے کو سونے کے، یا چاندی کو چاندی کے، یا کھانے کی کسی چیز کو اسی قسم کی کسی دوسری چیز کے معاوضہ میں اگر بیچنا ہو تو اس بیع کی صحت کے لیے تین شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ دین میں ادھار نہ ہو۔ دوم جس مجلس میں لین دین کی گفتگو طے ہوئی ہو اس کے خاتمہ سے پہلے لینے والے اور دینے والے اپنے اپنے مال پر قبضہ کر چکے ہوں۔ سوم لین دین کا مال مقدار میں

کہ اس طرح کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن حدیث :۔ جرّ نفعًا فھو حرامٌ ۔ قابل سند نہیں ہے کیونکہ اس کے راویوں میں ایک متروک راوی ہے اور ائمہ جرح وتعدیل اس کے ناقابل اعتماد ہونے کی تصریح کر چکے ہیں۔ اس بنا پر سود کی شرط پر قرض دینا ربا میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ باب الربا میں اس کو داخل کرتے ہیں وہ عنوان باب کو بھولے جاتے ہیں کہ یہ باب اموال ربا (یعنی مطعومات و مسکوکات) کی بیع کے متعلق خاص قسم کے شرائط عائد کرنے کے لیے مخصوص ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بیع دوسری چیز ہے اور قرض دوسری چیز ہے۔

ب ۔ نزول قرآن کے زمانے میں اور اس سے پہلے عرب میں جس طرح ربا کا رواج تھا اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کو قرض دیتا۔ جب میعاد آجاتی اور قرض خواہ کی طرف سے ادا کرنے کے لیے تقاضا ہوتا تو قرضدار کچھ اور میعاد بڑھانے کی درخواست کرتا اور اس کے معاوضہ میں مطالبہ کی مقدار دونی کرنے کو مان لیتا تھا۔ ہر سال اسی طرح اضافہ ہوا کرتا۔ اور تھوڑے سے روپے کے بدلے میں چند سال کے بعد گھر تک بک جایا کرتے تھے۔ اسلام نے اس کی ممانعت کر دی اور آیت لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کی وجہ سے یہ دستور ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو گیا۔ خفیف شرح سود پر قرض دینے کا نزول قرآن کے زمانے میں رواج ہی نہ تھا۔ لہذا یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ آیت نے ایک ایسی چیز کی ممانعت کی ہے جسے لوگ جانتے ہی نہ تھے۔ دوسری آیتوں میں جو اطلاق ہے وہ علم اصول کے قاعدۂ مسلمہ کی رو سے تقیید پر محمول ہوگا۔

(۲) ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ خفیف شرح سود پر قرض دینے میں بھی شریعت کی رو سے ربا کی صورت پیدا ہو جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جب اس باب میں ہم فقہا کی پیروی کرتے ہیں، تو جو تدبیریں انہوں نے تجویز کی ہیں ان کو کس بنا پر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ وہ تجویزیں ہیں جو عموماً فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور آج تک کبھی ان پر اعتراض نہیں ہوا۔ کتاب القنیہ میں ہے :

رجل لہ علی آخر عشرۃ دراھم فاراد ان یوجلھا الی سنۃ و یاخذ منہ ثلاثۃ عشر فالحیلۃ ان یشتری منہ بتلک العشر متاعًا و یقبض المتاع عشرۃ ثم یبیع المتاع منہ بثلاثۃ عشر	ایک شخص پر دس درم قرض ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ایک سال کی مہلت مل جائے اور قرض خواہ بجائے دس کے اس سے تیرہ لے۔ اس صورت میں تدبیر یہ ہے کہ انہیں دس درموں کے عوض میں اس سے کوئی اسباب خرید لیا جائے اور پھر اس پر قبضہ کر کے اسی دس درم کے قیمتی اسباب کو

جاتی ہیں اور جمع کرنے کے قابل ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سونے چاندی کے علاوہ تمام کھانے کی چیزیں حتیٰ کہ میوے اور دوائیں بھی اس میں شامل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ وہ تمام چیزیں جو ایک قسم کی ہوں اور ناپ سے ناپی جائیں یا وزن سے تولی جاتی ہوں ان سب میں زیادتی یا ادھار سے ربا کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسئلہ ربا کا یہی خلاصہ ہے اور فقہ کی تمام کتابوں میں اسی قدر مذکور ہے۔

بعض فقہا نے بینک کا سود پر قرض دینا بھی ربا الفضل میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تکلف ہی تکلف ہے۔ اس لیے کہ قرض لینے کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ اپنے پاس سے روپے دے کر بینک سے روپے خرید لے اور نہ معاوضہ کا خیال اس کے ذہن میں آتا ہے کیونکہ جو روپیہ اس نے قرض لیا ہے اگر اسی کو میعاد کے اندر مع سود کے واپس کر دے تو بینک بڑی خوشی سے لے لے گا۔

بعض فقہا نے باب القبض یا باب الصرف میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور بعضوں نے ربا کی ایک مستقل قسم اس کو قرار دیا ہے۔ ان بزرگوں کے نزدیک ربا کی چار قسمیں ہیں (۱) ربا النسیئہ (۲) ربا الید (۳) ربا الفضل (۴) وہ ربا جس میں قرض کے ذریعہ سے نفع (سود) پہنچے۔ پہلی تینوں قسموں کو حدیث الذھب بالذھب الخ کی بنا پر حرام کہتے ہیں اور آخری قسم کو حرام قرار دینے کے لیے ایک دوسری حدیث (کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نفعًا فَھُوَ حَرَامٌ (یعنی ہر قرض جو نفع کھینچتا ہو حرام ہے) پیش کرتے ہیں۔ شرقاوی نے پہلی تینوں قسموں کی تشریح کے بعد لکھا ہے:

وبقی من انواع الربویات القرض الذی جرّ نفعا للمقرض. ولا یختصّ بالربویات بل یجری فیھا وفی غیرھا کالعروض والحیوانات ..... وجعل الرملی ھذا داخلا فی ربا الفضل ای الزیادۃ والظاھر انہ قسم مستقل لما علمت من عدم اختصاصہ بالربویات۔	ربا کے اقسام میں ایک وہ قرض باقی رہا جو قرض دینے والے کے لیے جلب منفعت کا باعث ہوا کرتا ہے۔ یہ صورت ربا سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اور ایسی ہی اور چیزوں میں وہ حکم عائد ہوگا جو چاندی اور جانوروں کے لیے ہے.... رملی نے اس کو بھی ربا الفضل میں داخل کر رکھا ہے۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ ایک مستقل قسم ہے کیونکہ تم جان چکے ہو کہ اقسام ربا سے اس کو خصوصیت نہیں ہے۔

میری رائے میں اس قسم کو ایک مستقل اور جداگانہ قسم قرار دینا زیادہ مناسب ہے اس لیے

میں اگر تمہارا قانون نافذ ہے اور تمہیں کارفرما ہو تو قانوناً تمام اہل ملک کو سود کے لین دین سے تم روک سکتے ہو۔ لیکن اگر پرایا قانون ہے اور اس نے سود جائز کر رکھا ہے تو تم قرض لینا چاہو تو تم کو سود دینا پڑے گا، اور قرض دینا چاہو تو سود نہ لینا پڑے گا۔ یعنی نامسلمان فائدہ میں رہیں اور مسلمان نقصان اٹھائیں۔ کہیں اسلام بھی ایسے خسارے کا حامی ہو سکتا ہے؟

یہ تین صورتیں ہیں ان میں سے جس کو بھی لو اس کی رو سے تم کو سود پر قرض دینا جائز ہو گا۔

رہا یہ سنا کہ "مذہبی احکام کی اگر پوری طرح پابندی کی جائے تو سود لینے دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ محتاج کا محکمۂ زکاۃ سے کام چل جائے گا، اور دوسرے لوگ کسی دولت مند مسلمان بھائی یا اسلامی بیت المال سے قرض لے کر کاربرآری کر سکتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ مسلمانوں کے لیے بیت المال و زکوٰۃ کا محکمہ کھولا جائے۔" ہم ان خیالات کا دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ خدا کرے یہ آرزوئیں پوری ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک پوری نہیں ہوتیں اس وقت تک کیا کیا جائے۔

یہ اعتراض سچ ہے کہ "بینکوں نے ملک کی دولت چوس لی ہے۔" مگر اس میں بینکوں کا قصور نہیں ہے بلکہ قرض لینے والوں کی ناعاقبت اندیشی و غلط کاری کا قصور ہے۔ سود کے لین دین نے خرابی نہیں پیدا کی۔ خرابی اس لیے پیدا ہوئی کہ قرض کا روپیہ اچھے کام میں نہیں لگایا جاتا اور نہ مآل و انجام پر اقتصادی حیثیت سے نظر رہتی ہے۔

یہ اعتراض غلط ہے کہ "سود کی وجہ سے سو دیناروں کا دس برس کے بعد ایک ہزار دینار ہو جاتا ہے۔" اس لیے کہ اگر یہ ناجائز ہونے کی بنیاد ہے تو تجارت کو بھی ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بھی سو کے ہزار ہو جاتے ہیں۔

تم کو افسوس نہیں آتا کہ ہر سال تم کو ہندوستان میں دس ملین پونڈ سود دینا پڑتا ہے۔ یہ ساری رقم بغیر کسی تردد و تامل کے مسلمانوں کی جیب سے نکل کر نامسلمانوں کی جیب میں جاتی ہے۔ ان کی ثروت بڑھ رہی ہے۔ وہ قوی ہو رہے ہیں۔ اور ہم محتاج و ضعیف ہوتے جاتے ہیں۔ اگر تمہارے بینک بھی جا بجا ہوتے تو یہ نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔ خوب ذہن نشین کر لو کہ اقوام کے مابین آج کل حقیقی جنگ مال و دولت کی ہے۔ لہذا جہاں تک ہو سکے اس کے لیے طاقت و توانائی پیدا کرو۔ وَاللہ یوفق من یشاء الی ما یشاء۔

الیٰ سنۃ

ایک سال کے وعدے پر اس کے ہاتھ تیرہ درم کو بیچ ڈالا جائے۔

(الحدیث)

علامہ ابن عابدین شامی مؤلف ردّ المختار لکھتے ہیں:

ان باع المطلوب منه المعاملة من الطالب ثوبًا قیمته عشرون دینارًا باربعین ثم اقرضه ستین حتی صار له علی المستقرض ثمانون ذکر الخصاف انه جائز وهذا مذهب محمد بن سلمه امام بلخ۔

جس سے معاملہ مطلوب ہو (یعنی قرض خواہ) سے ایک کپڑا جس کی قیمت بیس دینار ہو چالیس دینار پر خرید لے اور اس کے بعد ساٹھ دینار اس کو قرض دے حتیٰ کہ قرض لینے والے کے ذمہ اس کے سو دینار ہو جائیں اور قرضدار کو صرف اسّی دینار ملے ہوں تو خصّاف کا بیان ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور امام اہل بلخ محمد بن سلمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

مؤلف قنیہ فرماتے ہیں:

لا باس بالبیوع التی یفعلها الناس للتحرز من الربا وهی مکروهة عند محمد وعندهما لا باس بها۔

بیع کی ان صورتوں میں کوئی حرج نہیں ہے جو ربا سے بچنے کے لیے لوگ کیا کرتے ہیں۔ امام محمد کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

کتاب الذخیرہ میں علامہ کرخی کا فتویٰ منقول ہے کہ "سود پر اتفاق فی مابین درست ہے۔ بشرطیکہ معاہدۂ قرضہ میں اس کو لکھا نہ جائے اور تذکرہ نہ ہو۔" درمختار میں ہے کہ: "سلطان کا حکم آگیا ہے اور شیخ الاسلام نے فتویٰ دیدیا ہے کہ دس پر ساڑھے دس نہ لیا جائے۔"

لہٰذا اسلامی بینک قائم کرنے والوں کو قرض نامہ اور حیلۂ شرعیہ کے جدا جدا نمونے شائع کر دینے چاہئیں کہ قرض کے معاہدے میں سود کا تذکرہ نہ ہونے پائے اور یہ بہت آسان امر ہے۔

(۳) دونوں مذکورۂ بالا صورتیں اگر نظر انداز بھی کر دی جائیں تو جہاں سود کا لین دین مقصود ہو وہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس ملک کے تمدنی و سیاسی معاملات و انتظامات اپنے اصلی معنوں میں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو وہاں سود لینا درست نہیں ہے۔ اور اگر نہیں ہیں تو تمام ائمۂ اسلام کے اتفاق و اجماع سے جائز ہے۔ ہندوستان و مصر کی موجودہ حالت[1] کا تم خود اندازہ کر دیکھو۔ ان ممالک

---

(۱) جب یہ مقالہ لکھا گیا اس وقت ہندوستان اور مصر پر برطانیہ کا اقتدار قائم تھا۔